زیادہ دلکش اور موثر تھا۔ میں نے غدر سے چند سال پہلے۔ جب کہ دیوانِ عام میں مشاعرہ ہوتا تھا۔ حضرت ایک دفعہ مرزا صاحب کو مشاعرے میں پڑھتے سُنا ہے۔ چونکہ اُنکے پڑھنے کی باری سب کے بعد آئی تھی اِس لئے صبح ہوگئی تھی۔ مرزا نے کہا صاحبو! میں بھی اپنی بھیرویں الاپتا ہوں؛ یہ کہکر اوّل اُردو طرح کی غزل اور اُسکے بعد فارسی کی غیر طرح نہایت پُر درد آواز سے پڑھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجلس میں کسی کو اپنا قدردان نہیں پاتے: اور اِس لئے غزلخوانی میں فریاد کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔

جس زمانے میں میر نظام الدین ممنون شاہ صاحب کے پُرانے مدرسے میں مشاعرہ کرتے تھے ایک مشاعرے میں مرزا نے اپنا فارسی قصیدہ دریا گریستن اور تنہا گریستن جو جناب سید الشہدا کی منقبت میں اُنھوں نے لکھا تھا پڑھا۔ سُنا ہے کہ مجلس مشاعرہ بزمِ عزا بن گئی تھی۔ جب تک قصیدہ پڑھا گیا لوگ برابر روتے رہے: مفتی صدر الدین خاں مرحوم بھی موجود تھے اتفاق سے اُسی حالت میں مینہ بھی برسنے لگا مفتی صاحب نے کہا "آسماں ہم گریست"

اسی قصیدے کی نسبت سید اکبر مرزا خلف الصدق ناظر سید حسین مرزا مرحوم بیان کرتے ہیں کہ بندرگاہ بصرہ میں ایک جگہ مجلس عزا تھی، اور بارش ہو رہی تھی۔ بانی مجلس نے مجھسے کہا کہ تم بھی کچھ پڑھو۔ میرے پاس اُسوقت پڑھنے کی کوئی چیز مرثیہ یا کتاب نہ تھی۔ اسی قصیدے کے چند اشعار زبانی یاد تھے: میں نے وہی پڑھ دیے۔ پانچ ہی سات شعروں پر مجلس میں خوب رقت ہوئی۔ عرب، عجم، اور ہندی سب اِس مجلس میں شریک تھے۔ مجلس کے بعد ہر ایک عجمی مجھسے پوچھتا تھا کہ یہ اشعار کس شخص کے تھے؛ بالخصوص اِس شعر کی بہت تعریف کرتے رہے۔

مزدِ شفاعت و صلۂ صبر و خونبہا   ہیچ از کسے نخواستہ الا گریستن

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ایک دفعہ مرزا دبیر مرحوم نے اِسی شعر پر مصرعے لگائے تھے مگر اُنکو خود پسند نہ آئے اور کہا کہ جس رتبے کا یہ شعر ہے ویسے مصرعے نہیں لگ سکتے۔

مرزا کے اخلاق و عادات و خیالات

مرزا کے اخلاق نہایت وسیع تھے۔ وہ ہر ایک شخص سے جو اُن سے ملنے جاتا تھا بہت کشادہ پیشانی سے ملتے تھے۔ جو شخص ایک دفعہ اُن سے مل آتا تھا اُسکو ہمیشہ اُن سے ملنے کا اشتیاق رہتا تھا۔ دوستوں کو دیکھکر وہ باغ باغ ہوجاتے تھے؛ اور اُن کی خوشی سے خوش اور اُن کے غم سے غمگین ہوتے تھے۔ اِسلئے اُن کے دوست ہر ملت اور ہر مذہب کے نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں بے شمار تھے۔ جو خطوط اُنھوں نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں اُن کے ایک ایک حرف سے مہر و محبت و غمخواری و یگانگت ٹپکی پڑتی ہے۔ ہر ایک خط کا جواب لکھنا وہ اپنے ذمے فرضِ عین سمجھتے تھے۔ اُن کا بہت سا وقت دوستوں کے خطوں کے جواب لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بیماری اور تکلیف کی حالت میں بھی وہ خطوں کے جواب لکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ وہ دوستوں کی فرمایشوں سے کبھی تنگدل نہ ہوتے تھے۔ غزلوں کی اصلاح کے سوا اور طرح طرح کی فرمایشیں اُنکے بعض خالص و مخلص دوست کرتے تھے اور وہ اُنکی تعمیل کرتے تھے۔ لوگ اُنکو اکثر بیرنگ خط بھیجتے تھے مگر اُن کو کبھی ناگوار نہ گذرتا تھا۔ اگر کوئی شخص لفافے میں ٹکٹ رکھکر بھیجتا تھا تو سخت شکایت کرتے تھے۔ اُنھوں نے میسور کے ایک شہزادے کو اپنی کوئی کتاب بھیجی ہے اُسنے کتاب کی رسید لکھی ہے، اور قیمت دریافت کی ہے۔ اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "حرفِ پرسشِ مقدار قیمت چرا بزبان قلم رفت؟ ہنجارِ نوازشِ نیازمندانِ بے نوا نہ اینست۔ بے سرمایہ ام نہ فرومایہ۔ سخنورم نہ سوداگر۔ مؤنیہ پوشم نہ کتاب فروش۔ پذیرندۂ عطایم نہ گیرندۂ بہا۔ ہرچہ آزادگان بشہزادگان فرستند نذر ست؛ و ہرچہ شاہزادگان

بآزادگاں بخشند تبرک ۔ بیع وشرا نیست ۔ چون وچرا نیست ۔ ہرچہ فرستادہ ام ارمغان ست ۔ وہرچہ خواہم فرستاد ارمغاں خواہد بود"

مروّت اور لحاظ مرزا کی طبیعت میں بدرجۂ غایت تھا۔ باوجودیکہ اخیر عمر میں وہ اشعار کی اصلاح دینے سے بہت گھبرانے لگے تھے ؛ باایں ہمہ کبھی کسی کا قصیدہ یا غزل بغیر اصلاح کے واپس نہ کرتے تھے ۔ ایک صاحب کو لکھتے ہیں "جہاں تک ہو سکا احباب کی خدمت بجا لایا ۔ اوراقِ اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا ۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے ، نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے ۔ کہتے ہیں کہ شاہ شرف بوعلی قلندر کو بسبب کبرِ سن کے خدا نے فرض اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی ۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست بھی خدمتِ اصلاحِ اشعار مجھ پر معاف کریں ۔ خطوطِ شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا لکھ دیا کرونگا" باوجود اسکے بھی لوگ مرزا کو برابر ستاتے رہتے تھے ۔ ایک دفعہ کسی مرزا تفتہ نے یہ لکھدیا تھا کہ آپ نے بسبب ذوقِ سخن کے اصلاحِ اشعار منظور فرمائی تھی ۔ اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "لاحول ولا قوۃ ! کس ملعون نے بسبب ذوقِ شعر کے اشعار کی اصلاح منظور رکھی ؟ اگر میں شعر سے بیزار نہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار ۔ میں نے تو بطریقِ قہر درویش بجانِ درویش لکھا تھا : جیسے اچھی جورو بُرے خاوند کے ساتھ مرنا بھرنا اختیار کرتی ہے میرا تمھارے ساتھ وہ معاملہ ہے"

اگرچہ مرزا کی آمدنی قلیل تھی مگر حوصلہ فراخ تھا ۔ سائل اُنکے دروازے سے خالی ہاتھ بہت کم جاتا تھا ۔ اُنکے مکان کے آگے اندھے لنگڑے لولے اور اپاہج مرد و عورت ہر وقت پڑے رہتے تھے ۔ غدر کے بعد اُنکی آمدنی کچھ اوپر ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی ہو گئی تھی ؛ اور کھانے پینے کا خرچ بھی کچھ لمبا چوڑا نہ تھا ؛ مگر وہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد اپنی بساط سے زیادہ کرتے تھے ؛ اس لئے اکثر تنگ رہتے تھے ۔

غدر کے بعد ایک بار میں نے خود دیکھا کہ نواب لفٹنٹ گورنر کے دربار میں اُن کو حسبِ معمول سات پارچہ کا خلعت مع تین رقومِ جواہر کے ملا تھا ۔ لفٹنٹی کے چپراسی اور جمعدار قاعدے کے موافق انعام لینے کو آئے ۔ مرزا صاحب کو پہلے ہی معلوم تھا کہ انعام دینا ہوگا اس لئے اُنھوں نے دربار سے آتے ہی خلعت اور رقومِ جواہر بازار میں فروخت کرنے کے لئے بھیج دی تھیں ۔ چپراسیوں کو الگ مکان میں بٹھا دیا اور جب بازار سے خلعت کی قیمت آئی تب اُن کو انعام دے کر رخصت کیا ۔

وہ اپنے اُن دوستوں کے ساتھ جو گردشِ روزگار سے بگڑ گئے تھے نہایت شریفانہ طور سے سلوک کرتے تھے ۔ دلّی کے عمائد میں سے ایک صاحب ۔ جو مرزا کے دلی دوست تھے ، اور غدر کے بعد اُنکی حالت سقیم ہو گئی تھی ۔ ایک روز چھینٹ کا فرغل پہنے ہوئے مرزا سے ملنے کو آئے ۔ مرزا نے کبھی اُنکو مالیدہ یا جامہ وار وغیرہ کے چغوں کے سوا ایسا حقیر کپڑا پہنے نہیں دیکھا تھا ۔ چھینٹ کا فرغل اُن کے بدن پر دیکھکر دل بھر آیا ۔ اُن سے پوچھا کہ یہ چھینٹ آپ نے کہاں سے لی ؟ مجھے اسکی وضع بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے ؛ آپ مجھے بھی فرغل کے لئے یہ چھینٹ منگوا دیں ۔ اُنھوں نے کہا یہ فرغل آج ہی بن کر آیا ہے ، اور میں نے اسی وقت اسکو پہنا ہے ؛ اگر آپ کو پسند ہے تو یہی حاضر ہے ۔ مرزا نے کہا جی تو یہی چاہتا ہے کہ اسی وقت آپ سے چھین کر پہن لوں مگر جاڑا شدت سے پڑ رہا ہے آپ یہاں سے مکان تک کیا پہن کر جائینگے ؟ پھر اِدھر اُدھر دیکھکر کھونٹی پر سے اپنا مالیدہ کا نیا چغہ اُتار کر اُنھیں پہنا دیا اور اس خوبصورتی کے ساتھ وہ چغہ اُنکی نذر کیا ۔

وہ ایک خط میں لکھتے ہیں "قلندری و آزادگی و ایثار و کرم کے جو دواعی میرے خالق نے مجھ میں بھر دیے ہیں بقدر ہزار یک ظہور میں نہ آئے ۔ نہ وہ طاقتِ جسمانی کہ ایک لاٹھی ہاتھ میں لوں

اور اُس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا لوٹا مع سوت کی رسّی کے لٹکا لوں اور پیادہ پا چل دوں ؛ کبھی شیراز جا نکلا، کبھی مصر میں جا ٹھیرا، کبھی نجف جا پہونچا ۔ نہ وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا میزبان بن جاؤں ۔ اگر تمام عالم میں نہو سکے نہ سہی ؛ جس شہر میں رہوں اُس شہر میں تو بھوکا ننگا نظر نہ آئے ۔ خدا کا مقہور، خلق کا مردود، بوڑھا ، ناتوان ، بیمار ، فقیر ، نکبت میں گرفتار ۔ میرے اور معاملاتِ کلام و کمال سے قطع نظر کرو ؛ وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیگ مانگے وہ میں ہوں ،،

جیسی مرزا کی طبیعت میں درّاکی اور ذہن میں جودت اور سرعتِ انتقال تھی اسی طرح اُنکا حافظہ بھی نہایت قوی تھا ۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اُنکے گھر میں کتاب کا کہیں نشان نہ تھا ؛ ہمیشہ کرایے کی کتابیں منگوا لیتے تھے ، اور اُنکو دیکھکر واپس بھیج دیتے تھے ۔ مگر جو لطیف یا کام کی بات کتاب میں نظر پڑ جاتی تھی اُن کے دل پر نقش ہو جاتی تھی ۔ فارسی کلام میں وہ کوئی لفظ یا مُحاورہ یا ترکیب ایسی نہیں برتتے تھے جسکی سند اہلِ زبان کے کلام سے نہ دے سکتے ہوں ۔ کلکتے میں جن لوگوں نے اُن کے کلام پر اعتراض کئے تھے ، اور جنکے جواب میں مرزا نے مثنوی بادِ مخالف لکھی تھی ؛ اُن کو مثنوی کے علاوہ ایک ایک اعتراض کے جواب میں دس دس بارہ بارہ سندیں اساتذہ کے کلام سے لکھکر علیحدہ بھیجی تھیں ۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے خطوط میں اُنکو مفصل بیان کیا ہے ۔ برہانِ قاطع پر جو کچھ اُنھوں نے لکھا وہ محض اپنی یادداشت کے بھروسے پر لکھا ۔ فکرِ شعر کا یہ طریقہ تھا کہ اکثر رات کو عالمِ سرخوشی میں فکر کیا کرتے تھے ۔ اور جب کوئی شعر سرانجام ہو جاتا تھا تو کمربند میں ایک گرہ لگا لیتے تھے ۔ اسی طرح آٹھ آٹھ دس دس گرہیں لگا کر سو رہتے تھے ۔ اور دوسرے دن صرف یاد پر سوچ سوچ کر تمام اشعار قلمبند کر لیتے تھے ۔

شعر فہمی اور کتاب فہمی میں وہ ایک مستثنے آدمی تھے ۔ کیسا ہی مشکل مضمون ہو وہ اکثر ایک سرسری نظر میں اُسکی تہ کو پہونچ جاتے تھے ۔ نواب مصطفےٰ خاں مرحوم گلشنِ بیخار میں مرزا کی نسبت لکھتے ہیں ،، مضامینِ شعری را کما ہو حقہٗ می فہمد ؛ و بجمیع نکات و لطائف پے می برد ؛ و ایں فضیلتے ست کہ مخصوص خواصِ اہلِ سخن است ۔ اگر طبعِ سخن شناس داری بایں نکتہ می رسی ؛ چہ ۔ خوش فکر اگرچہ کمیاب ست اما خوش فہم کمیاب تر ۔ خوشا حالِ کسیکہ از ہر دو شربے یافتہ ، و حظّے ربودہ ۔ بالجملہ چنیں نکتہ سنج نغز گفتار کمتر مرئی شدہ ،، نواب ممدوح نے مجھسے ایک واقعہ بیان کیا جس سے مرزا کی سخن سنجی کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے ۔ مولانا آزردہ نے ،، دور نہیں ،، حُور نہیں ،، اس زمین میں غزل لکھی تھی ۔ اُسمیں اتفاق سے مطلع بہت اچّھا نکل آیا تھا ۔ مولانا نے اپنی غزل دوستوں کو سُنا کر اُنسے کہا کہ ،، اگرچہ بحر دوسری ہے مگر اسی ردیف و قافیے میں نظیری کی بھی ایک غزل ہے جسکا مطلع یہ ہے ،، عشق عصیانست اگر مستور نیست ✤ کشتۂ جرم زباں مغفور نیست ،، ظاہر ہے کہ اگر نظیری ہندی نژاد ہوتا اور اسی زمین میں ۔ جسمیں ہماری غزل ہے ۔ اُردو غزل لکھتا تو اُسکا مطلع اس طرح ہوتا ،، عشق عصیاں ہے اگر مخفی و مستور نہیں ✤ کشتۂ جرم زباں ناجی و مغفور نہیں ،، آؤ آج مرزا غالب کے ہاں چلیں اور ۔ بغیر اسکے کہ قائل کا نام لیا جائے ۔ اپنا مطلع اور نظیری کے مطلع کا یہی اُردو ترجمہ (جو اوپر مذکور ہوا) مرزا کو سُنائیں اور پوچھیں کہ کون سا مطلع اچھا ہے ،، چونکہ نظیری کا مطلع اُردو ترجمے سے بہت پست ہو گیا تھا ۔ سب کو یقین تھا کہ مرزا نظیری کے مطلع کو ناپسند کرینگے اور مولانا آزردہ کے مطلع کو ترجیح دینگے ۔ چنانچہ مولانا اور نواب صاحب اور بعض اور احباب مرزا کے ہاں پہونچے ۔ معمولی بات چیت کے بعد مولانا نے کہا کہ اُردو کے دو مطلع ہیں ؛ اِن میں آپ محاکمہ کیجیے

کہ کونسا مطلع اچھا ہے ؟ اور بطور متبین کے اوّل نظیری کے مطلع کا یہی ترجمہ پڑھا۔ ابھی مولانا اپنا مطلع پڑھنے نہیں پائے تھے کہ مرزا اُس مطلع کو سُنکر سر دُھننے لگے ؛ اور متحیر ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ مطلع کس نے لکھا؟ اور اس قدر تعریف کی کہ مولانا آزردہ کو یہ امید نہ رہی کہ اس سے زیادہ میرے مطلع کی داد ملیگی۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنا مطلع نہیں پڑھا ؛ اور سب لوگ نہایت تعجب کرتے ہوئے وہاں سے اُٹھے۔

مرزا حقائق و معارف کی کتابیں اکثر مطالعہ کرتے تھے اور اُن کو خوب سمجھتے تھے۔ نواب ممدوح فرماتے تھے کہ میں شاہ ولی اللہ کا ایک فارسی رسالہ۔ جو حقائق و معارف کے نہایت دقیق مسائل پر مشتمل تھا۔ مطالعہ کر رہا تھا ؛ اور ایک مقام بالکل سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اتفاقاً اُسی وقت مرزا صاحب آنکلے۔ میں نے وہ مقام مرزا کو دکھایا۔ اُنھوں نے کسی قدر غور کے بعد اُسکا مطلب ایسی خوبی اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ شاہ صاحب بھی شاید اُس سے زیادہ نہ بیان کر سکتے۔

مرزا کی تقریر میں اُنکی تحریر اور اُن کی نظم و نثر سے کچھ کم لطف نہ تھا اور اسی وجہ سے لوگ اُن سے ملنے اور اُنکی باتیں سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ وہ زیادہ بولنے والے نہ تھے ؛ مگر جو کچھ اُنکی زبان سے نکلتا تھا لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ ظرافت مزاج میں اس قدر تھی کہ اگر اُن کو بجائے حیوانِ ناطق کے حیوانِ ظریف کہا جائے تو بجا ہے۔ حسنِ بیان، حاضر جوابی، اور بات میں سے بات پیدا کرنا اُنکی خصوصیات میں سے تھا۔

ایک دفعہ جب رمضان گذر چکا تو قلعے میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا مرزا تمنے کتنے روزے رکھے؟ عرض کیا پیر و مرشد ایک نہیں رکھا۔ ایک دن نواب مصطفےٰ خاں کے مکان پر پتنگ کو آئے۔ اُنکے مکان کے آگے چھتہ بہت تاریک تھا۔ جب چھتے سے گذر کر دیوانخانے کے دروازے پر پہنچے۔

تو وہاں نواب صاحب اُنکے لینے کو کھڑے تھے۔ مرزا نے اُن کو دیکھکر یہ مصرع پڑھا "کہ آب چشمۂ حیواں درون تاریکیست"، جب دیوانخانے میں پہنچے تو اُسکے دالان میں بسبب شرقی رو ہونے کے دھوپ بھری ہوئی تھی۔ مرزا نے وہاں یہ مصرع پڑھا "ایں خانہ تمام آفتاب ست"، ایک صحبت میں مرزا۔ میر تقی کی تعریف کر رہے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی موجود تھے ؛ اُنھوں نے سودا کو میر پر ترجیح دی۔ مرزا نے کہا "میں تو تمکو میری سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں"

مولوی امام بخش صہبائی مرحوم کی رائے پنجرقہ اور مینا بازار کی نسبت یہ تھی کہ یہ دونو تحریریں بھی مثل سہ نثر کے مُلّا ظہوری کی ہیں مگر مرزا اسکے خلاف تھے۔ ایک جلسے میں دونو صاحب موجود تھے۔ اتفاق سے یہ ذکر چھڑ گیا۔ مرزا نے کہا "قطع نظر اسکے کہ سہ نثر کی اور پنجرقہ و مینا بازار کی طرز میں بون بعید ہے۔ ظہوری کی شان سے نہیں ہے کہ وہ نثر کے ساتھ نظم نہ لکھے۔ تمام سہ نثر میں ایسا ایک صفحہ بھی مشکل سے نکلیگا جس میں نثر ہو اور نظم نہو۔ برخلاف اسکے تمام پنجرقہ و مینا بازار میں ایک شعر کے سوا۔ کہ وہ بھی ظہوری کا نہیں ہے۔ نظم کا کہیں پتا نہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص نظم و نثر دونو چیزوں پر برابر قدرت رکھتا ہو اُسکی نثر میں کہیں نظم نہ پائی جائے"، مولانا صہبائی نے کہا "ایسے اتفاقات اکثر ہو جاتے ہیں یہ محض ایک اتفاق کی بات ہے"، مرزا نے کہا "بے شک! مگر یہ ایسا اتفاق ہوگا کہ ایک شخص ہر ایک لحاظ سے نہایت سنجیدہ، شائستہ، اور معقول آگے کا آدمی ہے ؛ مگر اتفاق سے کبھی کبھی کاٹ بھی کھاتا ہے"، یہ سُنکر سب لوگ ہنس پڑے ؛ اور مولانا صہبائی مسکرا کر خاموش ہو رہے۔

مکان کے جس کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھتے اُٹھتے تھے وہ مکان کے دروازے کی چھت پر تھا ؛ اور اُسکے ایک جانب ایک کوٹھڑی تنگ و تاریک تھی۔ جس کا دروازہ اس قدر چھوٹا تھا کہ کوٹھری میں

بہت جھک کر جانا پڑتا تھا؛ اُسمیں ہمیشہ فرش بچھا رہتا تھا اور مرزا اکثر گرمی اور لُو کے موسم میں دس بجے سے تین چار بجے تک وہاں بیٹھتے تھے۔ ایک دن۔ جبکہ رمضان کا مہینا اور گرمی کا موسم تھا۔ مولانا آزردہ ٹھیک دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے کو چلے آئے۔ اُسوقت مرزا صاحب اُسی کوٹھڑی میں کسی دوست کے ساتھ چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا بھی وہیں پہونچے؛ اور مرزا کو رمضان کے مہینے میں چوسر کھیلتے ہوئے دیکھکر کہنے لگے کہ "ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہے؛ مگر آج اِس حدیث کی صحت میں تردد پیدا ہوگیا"، مرزا نے کہا "قبلہ! حدیث بالکل صحیح ہے؛ مگر آپ کو معلوم رہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھڑی تو ہے۔

الغرض مرزا کی کوئی بات لطف اور ظرافت سے خالی نہوتی تھی۔ اگر کوئی اُنکے تمام ملفوظات جمع کرتا تو ایک ضخیم کتاب لطائف وظرائف کی تیار ہوجاتی۔

باوجودیکہ مرزا کی آمدنی اور مقدور بہت کم تھا؛ مگر خودداری اور حفظِ وضع کو وہ کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ شہر کے امرا وعمائد سے برابر کی ملاقات تھی۔ کبھی بازار میں بغیر پالکی یا ہوادار کے نہیں نکلتے تھے۔ عمائد شہر میں سے جو لوگ اُنکے مکان پر نہیں آتے تھے؛ وہ بھی کبھی اُنکے مکان پر نہیں جاتے تھے۔ اور جو شخص اُنکے مکان پر آتا تھا وہ بھی اُسکے مکان پر ضرور جاتے تھے۔ ایک روز کسی سے مل کر نواب مصطفےٰ خان مرحوم کے مکان پر آئے؛ میں بھی اُس وقت وہاں موجود تھا؛ نواب صاحب نے کہا آپ مکان سے سیدھے یہیں آتے ہیں یا کہیں اور بھی جانا ہوا تھا؟ مرزا نے کہا مجھکو اُن کا ایک آنا دینا تھا؛ اِس لیے اوّل وہاں گیا تھا؛ وہاں سے یہاں آیا ہوں۔

ایک دن دیوان فضل اللہ خاں مرحوم۔ چرٹ میں سوار۔ مرزا کے مکان کے پاس سے

بغیر ملے نکل گئے۔ مرزا کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے ایک رقعہ دیوان جی کو لکھا مضمون یہ "کہ آج مجھکو اِسقدر ندامت ہوئی ہے کہ شرم کے مارے زمین میں گڑا جاتا ہوں۔ اِس سے زیادہ اور کیا نالائقی ہوسکتی ہے کہ آپ کبھی نہ کبھی تو اِس طرف سے گذریں اور میں سلام کو حاضر نہوں"، جب یہ رقعہ دیوان جی پاس پہنچا وہ نہایت شرمندہ ہوئے اور اُسی وقت گاڑی میں سوار ہوکر مرزا صاحب سے ملنے کو آئے۔

مرزا کی نہایت مرغوب غذا گوشت کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ وہ ایک وقت بھی بغیر گوشت کے نہیں رہ سکتے تھے؛ یہاں تک کہ مسہل کے دن بھی اُنھوں نے کھچڑی یا شولہ کبھی نہیں کھایا۔ اخیر میں اُن کی خوراک بہت کم ہوگئی تھی۔ صبح کو وہ اکثر شیرۂ بادام پیتے تھے۔ دن کو جو کھانا اُن کے لئے گھر سے آتا تھا اُسمیں صرف پاؤ سیر گوشت کا قورمہ ہوتا تھا۔ ایک پیالے میں بوٹیاں، دوسرے میں لعاب، یا شوربا، ایک پیالی میں ایک پھلکے کا چھلکا شوربے میں ڈوبا ہوا، ایک پیالی میں کبھی کبھی ایک انڈے کی زردی، ایک اور پیالی میں دو تین پیسہ بھر دہی، اور شام کو کسی قدر شامی کباب، یا سیخ کے کباب؛ بس اِس سے زیادہ اُنکی خوراک اور کچھ نہ تھی۔

ایک روز دوپہر کا کھانا آیا، اور دسترخوان بچھا؛ برتن تو بہت سے تھے؛ مگر کھانا نہایت قلیل تھا۔ مرزا نے مسکرا کر کہا "اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجیے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے؛ اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھیے تو بایزید کا"۔

فواکہ میں آم اُن کو نہایت مرغوب تھا۔ آموں کی فصل میں اُن کے دوست دُور دُور سے اُنکے لئے عمدہ عمدہ آم بھیجتے تھے؛ اور وہ خود اپنے بعضے دوستوں سے تقاضا کرکے آم منگواتے تھے۔ اُنکے فارسی مکتوبات میں ایک خط ہے جو غالباً کلکتے کے قیام کے زمانے میں اُنھوں نے امام باڑہ

کے متوفی صاحب کو آموں کی طلب میں لکھا ہے ۔ اُنمیں لکھتے ہیں ”بخن تشکم بندہ ام ، وقدرے ناتوان ؛ ہم آرائشِ خوان جویم ، وہم آسائشِ جان ۔ خِرد وَران دانند کہ ایں ہر دو صفت بہ انبہ اندرست ؛ و اہلِ کلکتہ برآنند کہ قلمرو انبہ ہگلی بندرست ۔ آرے انبہ از ہگلی ، وگل از گلشن ؛ ایثار از جناب ، وسپاس از من ۔ شوق می سگالد کہ تا پایانِ موسم دوسہ بار بخاطرِ ولی نعمت خواہم گذشت ۔ وآزمی نالد کہ حاشا بدیں مایہ برخورداری خورسند نخواہم گشت ،،

لطیفہ

ایک روز مرحوم بہادر شاہ آموں کے موسم میں چند مصاحبوں کے ساتھ ۔ جن میں مرزا بھی تھے ۔ باغِ حیات بخش یا مہتاب باغ میں ٹہل رہے تھے ۔ آم کے پیڑ رنگ برنگ کے آموں سے لدرہے تھے ۔ یہاں کا آم بادشاہ یا سلاطین یا بیگمات کے سوا کسی کو میسّر نہیں آسکتا تھا ۔ مرزا بار بار آموں کی طرف غور سے دیکھتے تھے ۔ بادشاہ نے پوچھا ”مرزا اِس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو ؟ مرزا نے ہاتھ باندھکر عرض کیا ”پیر و مرشد یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے ،، بر سرِ ہر دانہ بنوشتہ عیاں ٭ کایں فلاں ابنِ فلاں ابنِ فلاں ٭ اِسکو دیکھتا ہوں کہ کسی دانے پر میرا اور میرے باپ دادا کا نام بھی لکھا ہے یا نہیں ۔ بادشاہ مسکرائے اور اُسی روز ایک بہنگی عمدہ عمدہ آموں کی مرزا کو بھجوائی ۔

لطیفہ

حکیم رضی الدین خاں جو مرزا کے نہایت دوست تھے اُن کو آم نہیں بھاتے تھے ایک دن وہ مرزا کے مکان پر برآمدے میں بیٹھے تھے ؛ اور مرزا بھی وہیں موجود تھے ۔ ایک گدھے والا اپنے گدھے لئے ہوئے گلی سے گذرا ۔ آم کے چھلکے پڑے تھے ؛ گدھے نے سونگھ کر چھوڑ دیے ۔ حکیم صاحب نے کہا دیکھیے آم ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا ۔ مرزا نے کہا بے شک گدھا نہیں کھاتا ۔

مرزا کی نیت آموں سے کسی طرح سیر نہوتی تھی ۔ اہلِ شہر تحفۃً بھیجتے تھے ، خود بازار سے منگواتے تھے ؛

باہر سے دور دور کا آم بطور سوغات کے آتا تھا ؛ مگر حضرت کا جی نہیں بھرتا تھا ۔ نواب مصطفےٰ خاں مرحوم ناقل تھے کہ ایک صحبت میں مولانا فضل حق اور مرزا اور دیگر احباب جمع تھے ؛ اور آم کی نسبت ہر شخص اپنی اپنی راے بیان کر رہا تھا کہ اُس میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں ۔ جب سب لوگ اپنی اپنی کہہ چکے تو مولانا فضل حق نے مرزا سے کہا کہ تم بھی اپنی راے بیان کرو ۔ مرزا نے کہا بھئی میرے نزدیک تو آم میں صرف دو باتیں ہونی چاہئیں ؛ میٹھا ہو اور بہت ہو ۔ سب حاضرین ہنس پڑے ۔

لطیفہ

مرزا کو مدت سے رات کو سوتے وقت کسی قدر پینے کی عادت تھی ۔ جو مقدار اُنھوں نے مقرر کرلی تھی اُس سے زیادہ کبھی نہیں پیتے تھے ۔ جس بکس میں بوتلیں رہتی تھیں اُسکی کنجی داروغہ کے پاس رہتی تھی ؛ اور اُسکو سخت تاکید تھی کہ اگر رات کو سرخوشی کے عالم میں مجھکو زیادہ پینے کا خیال پیدا ہو تو ہرگز میرا کہنا نہ ماننا ؛ اور کنجی مجھکو نہ دینا ۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ رات کو کنجی طلب کرتے تھے ؛ اور نشے کی جھانجھ میں داروغہ کو بہت بُرا بھلا کہتے تھے ؛ مگر داروغہ نہایت خیر خواہ تھا ہرگز کنجی نہ دیتا تھا ۔ اوّل تو وہ مقدار میں بہت کم پیتے تھے ؛ دوسرے اُسمیں دو تین حصے گلاب ملالیتے تھے ۔ جس سے اُسکی حدت اور تیزی کم ہوجاتی تھی ۔ چنانچہ ایک جگہہ کہتے ہیں ۔

آسودہ باد خاطرِ غالب کہ خوے اوست ۔۔۔ آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را

مگر باوجود اِس قدر احتیاط اور اعتدال کے اِس کا فرنشے کی عادت نے آخر کار مرزا کی صحت کو سخت صدمہ پہنچایا جسکی شکایت سے اُنکے تمام اُردو رقعات بھرے ہوئے ہیں ۔

مرزا کے خاص خاص شاگرد اور دوست ۔ جن سے نہایت بے تکلفی تھی ۔ اکثر شام کو اُن کے پاس جاکر بیٹھتے تھے ۔ اور مرزا سرور کے عالم میں اُس وقت بہت پُرلطف باتیں کیا کرتے تھے ۔